باب 6

اخلاقیات (Ethics)

فرد اپنے خاندان اور معاشرے میں انفرادی حیثیت کا مالک ہوتا ہے اور اجتماعیت کا حصہ ہوتا ہے۔ جب وہ ذہنی، شعوری، علمی اور فکری نشو ونما کے مراحل طے کرتا ہے تو بعض اصول وضوابط اپنے اوپر لاگو کرتا ہے۔ دوسرں سے اپنا حق مانگتا ہے اور فرائض وذمہ داریاں ادا کرتا ہے۔ اس طرح حقوق وفرائض اور معاشرتی زندگی میں زمانے، ماحول، قوم، ضرورت اور حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی معیار اپنانا پڑتا ہے۔ یہ معیار اسے انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ جو کام بھی بار بار کرتا ہے وہ پہلے عادت بنتی ہے اور پھر یہ عادت کردار کا حصہ بن جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ ایسی عادات رسم ورواج کا روپ دھار لیتی ہیں۔ یہ رسم ورواج اپنانے کے لئے انسان اتنا پختہ اور پرعزم ہو جاتا ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے آپ کو ادھورا محسوس کرتا ہے۔ انہی رسم ورواج کو اخلاقیات کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ جو عادات پختہ ہو جاتی ہیں، انسان ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ رفتہ رفتہ وہ اخلاقی اصول کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

اخلاقیات ایک معیاری علم ہے۔ اخلاقی معیار کے تحت اقدار قائم کی جاتی ہیں یا حالات کے مطابق قائم ہو جاتی ہیں۔ ان اخلاقی اقدار کا انسانی زندگی پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ انسان اخلاقی اقدار سے ہمیشہ قابو میں رہتا ہے یعنی جبلتوں کو کنٹرول کرنے کے لئے اخلاقیات سے مدد لی جاتی ہے۔ وہ اخلاقیات کے اصول یعنی اخلاقی اقدار خود بناتا ہے۔ اس کے لیے تجربہ، مشاہدہ، تاریخ، ثقافت، تہذیب وتمدن، مذہب، تعلیم، روایات، معاشریات، معاشیات، سیاسیات غرضیکہ انسانی زندگی سے متعلقہ جملہ علوم سے مدد لی جاتی ہے۔ جس طرح کے حالات وواقعات ہوں ویسی ہی اخلاقی اقدار بنتی ہیں۔ زمانہ، علاقہ اور قوم کی مناسبت سے اخلاقی اقدار بدلتی رہتی ہیں۔

سماجی، ثقافتی، گروہی اور مثالی طرز زندگی کے لیے منفی قوتوں سے چھٹکارہ اور مثبت اقدار کی پاسداری اخلاقیات سے ہوتی ہے۔ اخلاقی مثبت اقدار وہ بنیادی حقائق ہیں جن کی بنا پر مثالی کردار ادا کر کے معاشرے کو مثالی بنایا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حالات وواقعات، نئی ضرورتوں اور جدید تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تنظیم نو کی جائے تا کہ معاشرہ نئے انداز سے استوار اور تعمیر ہو سکے۔ نئی اخلاقیات متعارف کرائی جائے تا کہ اس کی مدد سے معاشرتی ترقی ہو سکے۔ اخلاقی نظریات کو عمومی طور پر دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انفرادی اخلاقیات اور اجتماعی اخلاقیات گرین (Green) کے خیال میں ''اخلاقی فرض وہی ہے جو انسان خود اپنے اوپر لاگو کرتا ہے'' جبکہ ہیگل (Hegel) کا کہنا ہے کہ ''انسان کو کیا کرنا چاہیے یا نیک بننے کے لئے کون سے فرائض انجام دینے چاہئیں، اس سوال کا جواب فلسفۂ اخلاق میں دینا آسان ہے۔ اسے صرف وہی کام کرنے چاہئیں جنہیں ان کے قائم شدہ تعلقات پیش کرتے اور تسلیم کرتے ہیں۔'' اخلاقیات ہمیں نیکوکار بننے میں مدد دیتی ہے۔ اس معیاری علم میں انسان کے کردار کے اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اخلاقیات کے معنی اور دائرہ کار (Meaning and Scope of Ethics)

ذاتی سوچ بچار اور معاشرتی رویوں کی وجہ سے انسان اپنے عمل کو ایک خاص پیمانے سے ماپتا ہے۔ یہ پیمانہ یا معیار خود بخود انسان ہر دور میں نئے انداز سے طے کرتا ہے۔ وہ اپنے من میں بھی ایک معیار قائم کرتا ہے اور باہر کی دنیا بھی اسے طے شدہ معیار پر پرکھتی ہے۔ اس کی بنیاد پر اسے اچھا یا بُرا کہا جاتا ہے۔ معیار عمل کا مطالعہ اخلاقیات کرتی ہے۔ صحیح کیا ہے؟ غلط کیا ہے؟ کسی شخص کا کوئی عمل صائب ہے یا غیر صائب، مناسب ہے یا غیر مناسب، صحیح ہے یا غلط، اچھا ہے یا برا، اس کا فیصلہ کرنا علم الاخلاق یعنی اخلاقیات (Ethics) کا کام ہے۔

انگریزی زبان کا لفظ (Ethics) یونانی زبان کے لفظ (Ethos) سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی عوائد ورسوم کے ہیں۔ اسی طرح لاطینی زبان کا لفظ Moral جو Moras سے نکلا ہے کا مطلب بھی رسم ورواج ہے۔

اخلاقیات انسان کے لئے معاشرے میں رہنے کے لئے معیار طے کرتا ہے۔ اس معیار کے اصولوں پر ہم کسی کے عمل کو پرکھتے اور ماپتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی نوجوان اپنے ماں باپ کا احترام کرتا ہے۔ اساتذہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اپنا کام محنت اور لگن سے کرتا ہے۔ ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی تگ ودو کرتا ہے۔ کسی کو پریشان یا تنگ نہیں کرتا تو اسے اچھا اور بہتر نوجوان کہا جاتا ہے۔ ہر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے۔ وہ سب کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے۔ سب اس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر کوئی نوجوان عزت واحترام کے بجائے بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔ اپنا کام بھی نہیں کرتا، محنت سے جی چراتا ہے۔ لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ کرتا ہے، اپنی قابلیتوں، صلاحیتوں اور اہلیتوں کو زنگ آلود کر لیتا ہے تو ہر کوئی اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس سے نفرت کرتا ہے۔ لوگ اس کو دیکھ کر ناخوش ہوتے ہیں۔ والدین بھی اس کے اس رویے سے پریشان ہوتے ہیں۔ پہلے نوجوان کا عمل اچھا ہے دوسرے کا برا۔ انہیں ماپنے کے لیے معاشرے میں موجود ایک پیمانہ یا معیار مقرر ہوتا ہے۔ جس سے اس کے کردار کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔

کسی شخص کے اچھے اور برے، صحیح اور غلط دونوں طرح کے اعمال وافعال کا مطالعہ اخلاقیات میں کیا جاتا ہے۔ گویا اخلاقیات صرف مثبت صحیح اور اچھے اعمال کا مطالعہ ہی نہیں کرتی بلکہ اس کا کام عمل کے منفی غلط اور برے پہلو کا مطالعہ کرنا بھی ہے۔

پروفیسر جان ڈیوی (John Dewey) کے خیال میں ''اخلاقیات وہ معیاری علم ہے جو انسان کے کردار پر خیر وشر یا صواب وخطا کے نقطہ نظر سے بحث کرتا ہے۔'' اخلاقیات معاشرے میں پھیلے ہوئے غیر مربوط اور غیر مسلسل کلیات ومعلومات کو اکٹھا کر کے ایک سلسلے میں منسلک کرتا ہے۔ ان سے اصول وضع کر کے معیار اخلاق (Moral Ideal) قائم کیا جاتا ہے۔ پروفیسر راجرس (Prof. Rogers) نے اپنی کتاب ''تاریخ اخلاقیات'' میں لکھا ہے کہ ''جو علم ایسے اصول بتاتا ہے جن سے انسانی کردار کے صحیح مقاصد کی حقیقی اور سچی قدر و قیمت کا تعین ہو سکے اس کا نام علم الاخلاق ہے۔'' اسی طرح پروفیسر للی (Prof. Lillie) کا خیال ہے کہ ''اخلاقیات انسانی کردار کی معیاری سائنس (Normative Science) ہے اور کردار کا مطالعہ خیر وشر یا صواب وخطا کی حیثیت سے کرتی ہے۔''

علم نفسیات ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی شخصیت کے دو اہم پہلو ہیں ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی۔ اسی طرح علم الاخلاق کے مطابق انسانی کردار کا اندرونی پہلو نیات پر منحصر ہوتا ہے اور انسانی کردار کا بیرونی حصہ اعمال پر مشتمل ہوتا ہے۔ بعض شخصیات اپنی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ظاہری وخارجی کردار کو بنا سنوار کر رکھتی ہیں۔ لیکن اخلاقیات میں کسی فرد کے افعال کے اچھے اور برے دونوں پہلو دیکھے جاتے ہیں۔

شخصیت کا خارجی پہلو بظاہر کسی شخص کو زبردست اور عظیم دکھا رہا ہے تو ہوسکتا ہے وہ اندرونی طور پر ایسا نہ ہو۔اس لیے اخلاقیات میں کردار کو نیت کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے اور نیت کسی کو دھوکہ نہیں دیتی۔ایک یا دو معاملات میں اگر پتہ نہیں چلنے دیا جاتا تو پھر تیسرے چوتھے یا کسی اور وقت یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ مذکورہ شخص ظاہر اور باطن میں مختلف ہے۔اگر کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو نیکوکار ہے، وہ ہمیشہ نیکی بھلائی اور خیر کا ہی سوچے گا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی پروگرام کے تحت زیادہ عرصہ نیکی کرے اور پروگرام کے تحت دانستہ نیکی کی بجائے بدی کی طرف راغب ہو۔وہ ایسا کر کے کلی طور پر نیکوکار نہیں کہلا سکتا۔افلاطون (Plato) نے اپنی کتاب ''ریاست'' میں انفرادی اور اجتماعی معاشرتی زندگی کو اخلاقی لحاظ سے مثالی بنانے کے لئے چار بڑے فضائل کا ذکر کیا ہے۔انہیں اُمہاتِ فضائل کہا جاتا ہے۔افلاطون کے بیان کردہ چار فضائل حکمت، شجاعت، عفت یا ضبطِ نفس اور عدالت ہیں۔ان پر عمل کر کے یقیناً اخلاقی پہلو کو زیادہ مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر بھی ان فضائل کی بہت اہمیت ہے۔حکمت ایک خداداد عطیہ ہے۔جس فرد یا جماعت میں قابلیتوں پر مشتمل حکمت و دانائی ہوگی وہ کامیاب ہوگی۔انفرادی ذات اور قومی اداروں میں عدالت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ضبطِ نفس سے قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔شجاعت یعنی بہادری کسی قوم کی شان ہوتی ہے۔انفرادی طور پر بھی ہر کام کرنے کے لئے جرأت و کوشش ہی شجاعت کہلاتی ہے۔

اخلاقیات کی اہمیت:

ہر علم کی اپنی نوعیت اور خاصیت کے لحاظ سے خصوصی اہمیت ہوتی ہے۔اخلاقیات ایک معیاری علم ہے۔اس کی اہمیت بے حد مسلّمہ ہے۔اخلاقیات کی اہمیت کو ہی اس کا دائرہ کار یا وسعت کے نام سے جانا جاتا ہے۔یوں تو اخلاقیات کا تعلق انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے ہے اور اہمیت کے لحاظ سے اخلاقیات کی وسعت بے کراں ہے لیکن ان میں چند ایک درج ذیل موضوعات کا خاص طور پر جائزہ لیا جاتا ہے۔

1۔تعلیم و تربیت 2۔کردار کی بہتری و پختگی 3۔انفرادی تنظیم 4۔اجتماعی بھلائی 5۔حوصلہ مندی

6۔مستقل مزاجی 7۔تعمیر نو 8۔ثقافتی پہلو 9۔تہذیب و تمدن 10۔اچھائی و برائی کی پہچان

1۔تعلیم و تربیت: اخلاقیات بچوں، بڑوں اور ضرورت کے تحت ہر طبقہ فکر کی تعلیم و تربیت کرنے میں سودمند ثابت ہوتی ہے۔گھر میں خاندان کا ہر فرد دانستہ یا غیر دانستہ طور پر پیدائش ہی سے بچوں کی اخلاقی تربیت کرتا ہے۔جس طرح ماں باپ اور بہن بھائی زندگی گزارتے ہیں بچے ان کی اسی طرح نقالی کرتے ہیں۔اگر کوئی ماں یا باپ جھوٹ بولتا ہے تو بچے اس کو صحیح عمل سمجھ کر اسی طرح جھوٹ بولیں گے اور اگر ماں یا باپ سچ بولتا ہے اور جھوٹ سے نفرت کرتا ہے تو بچے بھی یقیناً ایسا ہی کریں گے۔اخلاقیات ہی بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کرنے میں مدد دیتی ہے۔

خاندان کے بعد معاشرتی اخلاقیات سیکھی جاتی ہے۔اداروں، دفتروں اور دکانوں وغیرہ میں بھی اخلاقی اقدار و اخلاقی قوانین سے ملازمین و افراد کی تربیت کی جاتی ہے۔

ہر ادارے کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں وہی اصول و ضوابط ان کی اخلاقی اقدار ہوتی ہیں۔اخلاقیات کی وسعت یا دائرہ کار کی پہلی سیڑھی یہی ہے کہ بچوں اور متعلقہ افراد کی صحیح سمت میں تعلیم و تربیت کی جائے۔

2۔ کردار کی بہتری و پختگی: اخلاقیات کی مدد سے افراد کے کردار میں بہتری و پختگی پیدا کی جاسکتی ہے۔ کردار میں خوشگوار اور مناسب تبدیلی ابتدائی عمر سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے سے کردار کی بہتری اور پختگی ممکن ہے۔ بچوں اور بچیوں کے کردار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اخلاقی اقدار ہی اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔

3۔ انفرادی تنظیم: اخلاقیات کی وسعت اور دائرہ کار میں فرد کی انفرادی لحاظ سے شخصیت میں تنظیم پیدا کی جاتی ہے۔ اخلاقی اقدار انفرادیت کو اتنا منظم اور مضبوط بنا دیتی ہیں کہ وہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا انفرادی تنظیم صرف اور صرف اخلاقی اقدار ہی سے ممکن ہوتی ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان معاشرتی اقدار اپناتا ہے لیکن ان معاشرتی اقدار کی بنیاد بھی اخلاقی اقدار ہی مہیا کرتی ہیں۔

4۔ اجتماعی بھلائی: اخلاقیات ہمیں سکھاتی ہے کہ انفرادی کے بعد اجتماعی تنظیم اور بھلائی اخلاقی اصول و ضوابط سے ممکن ہوتی ہے۔ اخلاقیات کی مدد سے ہی اجتماعی شعور (Collective Consciousness) کو اجاگر کیا جاسکتا ہے اگر کسی قوم میں اجتماعی شعور اجاگر ہو جائے تو وہ دنیا کی بہترین اور طاقتور قوم بن سکتی ہے۔ اخلاقیات انفرادیت کی تشکیل کے ساتھ ساتھ اجتماعی بھلائی کا بیڑہ بھی اٹھاتی ہے۔

5۔ حوصلہ مندی: بلند اخلاقی معیار کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنانے والے باہمت اور حوصلہ مند ہوتے ہیں۔ اس حوصلہ مندی سے وہ کردار کی مزید بہتری اور بھلائی کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔

اس طرح افراد، قوم اور اداروں کو حوصلہ ملتا ہے۔ ہمت بڑھتی ہے اور اپنے ہونے کا صحیح احساس ہوتا ہے۔

6۔ مستقل مزاجی: اخلاقیات سے لوگ مستقل مزاج بنتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ آج آپ کسی ایک قوم کے قوانین اپنائیں اور کل کسی دوسری قوم کے۔ بلکہ مثبت اخلاقی اقدار اپنا کر ہی مستقل مزاجی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ مستقل مزاج شخصیت ہی مثالی اور اعلیٰ و برتر درجہ پر پہنچتی ہے۔

اخلاقی اقدار کے حوالے سے مستقل مزاجی سے مراد ہے کہ اخلاقی قوانین پر ہر لمحہ کاربند رہا جائے۔ عبادات کی اہمیت و برکت اپنی جگہ لیکن انسان کا کردار اس وقت صحیح، صائب، مناسب اور متوازن ہوتا ہے۔ جب وہ مستقل مزاجی سے اخلاقی اقدار کو اپنائے۔ اگر کوئی اخلاقیات کی تعلیم حاصل کرلے اور اسے اپنائے تو وہ معاشرے کے لیے اچھا انسان اور اچھا شہری بن سکتا ہے۔

7۔ تعمیرِ نو: معاشرے کی تعمیر اور پھر تعمیرِ نو سے مراد یہ نہیں ہے کہ نئی عمارات اور سڑکیں بنائی جائیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے انفرادی اور اجتماعی طور پر بہتری پیدا کی جائے اور یہ بہتری اخلاقی اقدار اپنانے سے ہوتی ہے۔ نئی اخلاقی اقدار متعارف کرانے اور اُن پر عمل کرنے سے معاشرے کی تعمیرِ نو ہوتی ہے۔ تعمیرِ نو اذہان کو بدلنے سے ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے اخلاقیات ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ جب معاشرہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جائے، کسی قسم کا بگاڑ پیدا ہو جائے تو اس کو اخلاقیات کے اصول و ضوابط کے سہارے تخریبی قوتوں کو روک کر تعمیری فکر کی طرف گامزن کیا جاسکتا ہے۔ اخلاقیات کے دائرہ کار اور وسعت میں تعمیرِ نو ایک اہم حیثیت کا حامل تبدیلی کا عمل ہے۔

8۔ ثقافتی پہلو: اخلاقیات سے ہمیں اپنی ثقافتی حدود میں وسعت اور بہتری پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ بدیسی ثقافت کی یلغار سے بچنے

کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اخلاقی اقدار کو مضبوط کیا جائے تا کہ اپنی ثقافت زیادہ طاقت ور، فعال اور زیادہ خوبیوں والی بنائی جائے۔ اخلاقیات میں ثقافتی پہلو یہ ہے کہ کسی بھی ملک یا قوم میں علاقائی اور تاریخی لحاظ سے لوگوں کی نفسیاتی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ کھیل، ڈرامے، گانے، میلے، نمائشیں، پیداواری ادارے اور اپنی مٹی سے بنیادی لگاؤ کو اجاگر کرنا اخلاقی تقاضا ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قومی تاریخ، روایات، بنیادی تعلیم اور مذہب پر ٹھیس نہ آئے۔

9۔ تہذیب وتمدن: تہذیب وتمدن بھی ثقافت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اخلاقیات کا یہ تقاضا ہے کہ تہذیب وتمدن کے اندر رہ کر لوگوں کو بہتر زندگی گزارنے کی سہولتیں میسر آنی چاہئیں۔

جس قوم کی تہذیب وتمدن میں عدل وانصاف، ایمانداری، مساوات اور رواداری ہوگی وہ اخلاقی لحاظ سے زیادہ بہتر اور عظیم قوم ہوگی۔ اپنی تہذیبی وتمدنی خوبیوں کو اپنانا اور منفی رویوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا بھی اخلاقی ضرورت ہے۔ اس لیے اخلاقیات کے زمرے میں یہ بات سب سے اہم ہے کہ قوموں کو تہذیبوں کے ٹکراؤ سے بچانے کیلئے بین الاقوامی اخلاقیات پر عمل کیا جائے۔ بین الاقوامی اخلاقیات سے مراد یہ ہے کہ پوری دنیا کی تمام تر قوموں میں مشترک تہذیبی اور تمدنی اقدار کا جائزہ لیا جائے اور ان مثبت اور مشترک اقدار کو سب کے لیے عام کیا جائے۔

10۔ اچھائی وبرائی کی پہچان:۔ اخلاقیات کی اہمیت، وسعت اور دائرہ کار کا اہم فریضہ یا موضوع یہ ہے کہ عوام الناس کی اس طرح تعلیم وتربیت کی جائے کہ وہ اچھائی اور برائی کی پہچان کر سکیں۔ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ اچھائی اور برائی کی حقیقت اور اصلیت جاننے کے لیے اخلاقیات سے استفادہ کیا جائے۔ برائیوں سے اجتناب اور اچھائیوں کو اپنانا انسان کی بہتری اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ رذائل سے نفرت اور فضائل سے محبت ہمیں اخلاقیات سکھاتی ہے۔ اخلاقیات کا کام انسان کے اچھے اور برے دونوں افعال کا جائزہ لینا ہے۔ جھوٹ بولنا، قتل کرنا، دھوکہ دینا، جیسی منفی اقدار سے دور رہا جائے جبکہ محبت، خلوص، انس اور بھائی چارے جیسے فضائل کو اپنایا جائے تا کہ انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے لوگ مستقل اخلاقی اقدار اپنا کر اپنی اور دوسروں کی خوشی میں اضافہ اور الم ورنج میں کمی کر سکیں۔

اخلاقی نظریات (Ethical theories)

اخلاقیات ایک معیاری علم ہے جس سے انسان کے کردار کو ایک مخصوص معیار کے مطابق جانچا جاتا ہے۔ یوں تو متعدد اخلاقی نظریات ہیں جن پر اخلاقیات کا دارومدار ہے۔ لوگ بالعموم انہی نظریات کی بنیاد پر اخلاقیات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک اخلاقی نظریات درج ذیل ہیں۔

1۔ سنہری وسط (Golden Mean)

2۔ افادیت (Utilitarianism)

3۔ ارادہ طیبہ (Good Will)

(1) سنہری وسط Golden Mean: درجے کے لحاظ سے کسی بھی اخلاقی عمل کی ابتدا ہوتی ہے اور انتہا بھی۔ مثلاً اگر ایک فعل کی

ابتدا بزدلی ہے تو اس کی انتہا اندھادھند دلیری ہے۔ لیکن ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک ایسا مقام ہے جو افراط اور تفریط کا شکار نہیں ہوتا۔ بزدلی اور اندھادھند دلیری کے درمیان شجاعت کا مقام ہے۔ یہ زیادہ مناسب اور صحیح عمل ہے بلکہ عملِ صالح ہے۔ جس سے مزید بھلائی اور خیر پھیلتی ہے۔ جبکہ بزدلی اور اندھادھند دلیری سے خیر کی توقع نہیں کی جاتی۔ میانہ روی ہی درمیانی راستہ ہے جو کہ خیر ہے، اچھائی ہے، بھلائی ہے۔ نیکی یعنی فضیلت ہے۔

یونانی فلسفی ارسطو اسی نقطۂ نظر کا قائل ہے۔ اس کے خیال میں میانہ روی یعنی درمیانی راستہ ہی اخلاقی طریق ہے اور اس درمیانی راستے کو وسط (Golden Mean) یعنی سنہری وسط کہا جاتا ہے۔ سنہری وسط بھی وہی ہے جس سے خیرِ اعلیٰ حاصل کیا جا سکے۔ نہ تو بزدلی سے خیرِ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اندھادھند دلیری سے۔ معاشرتی حالات و واقعات، ضروریات، حاجات کی نوعیت کے مطابق سنہری وسط طے کیا جاتا ہے یا معلوم کیا جاتا ہے۔

یونانی فلسفی ارسطو کا کہنا ہے کہ عقل اور تجربے سے استفادہ کر کے سنہری وسط معلوم کیا جا سکتا ہے۔ عقل کا استعمال صرف فلسفی کر سکتے ہیں۔ اور تجربات و مشاہدات سے عام لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے حکمت و دانائی سے اصولوں پر زندگیاں گزارنے والے عظیم انسانوں کی صحبت اور حیاتِ طیبہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو سنہری وسط کے راستے پر ڈالا جا سکتا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ انسان کو عظیم سے عظیم تر بنا دیتا ہے۔ پاکباز اور عظیم شخصیات کی زندگی فضیلت کا درجہ رکھتی ہے اس لئے ان کی پیروی اور تقلید کرنا ہی کامیاب زندگی گزارنا ہے۔ دراصل یہی اخلاقی طریق کار ہے۔

ارسطو کے خیال میں حکمت و دانائی کا مالک عالمگیر اخلاق کا منبع ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہی سنہری وسط کو پانا اور اخلاقی برتری حاصل کرنا ہے۔ یہی انسان کی زندگی کا معیار ہے۔

(2)۔ افادیت Utilitarianism: انسان کوئی بھی کام کرتا ہے تو اس میں اس کا اپنا یا کسی دوسرے کا فائدہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ یہاں فائدہ سے مراد معاشی فائدہ ہی نہیں بلکہ اخلاقیات میں ذہنی آسودگی اور خوشگواری بھی انسان کے طے شدہ معیار یا نصب العین کو پورا کرتی ہے۔ نظریہ افادیت کے ماننے والے یعنی افادئین کا نقطۂ نظر ہے کہ انسانی زندگی کا سب سے اہم مقصد اور صحیح نصب العین خوشی، لذت اطمینان حاصل کرنا اور رنج والم سے چھٹکارا پانا ہے۔ ہمیں ایسے افعال سرانجام دینے چاہئیں جن سے زیادہ لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل ہو۔ بزرگوں اور صالحین کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی طرزِ حیات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ لذت یا افادیت حاصل ہوتی ہے۔

نظریہ افادیت کے مطابق ہر حالت میں لذت و سکون پانا اور دکھوں، تکالیف اور مشکلات سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ کسی دوسرے کی تکلیف اور رنج والم میں کمی کر کے بھی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح بھی بھلائی اور فلاح و بہبود کے کام کرنے سے انسان اپنی خوشی اور لذت میں اطمینانِ قلب پاتا ہے۔ مطمئن ہوتا ہے کہ اس نے اچھا، مناسب اور صحیح کام کیا ہے اور یہ کام یا عمل معیاری زندگی کے اصولوں اور نصب العین کے مطابق ہوتا ہے۔ نظریہ افادیت کے مطابق زیادہ فائدہ حاصل کرنا اہم امر ہے۔

نظریہ افادیت (Utilitarianism) اور نظریہ لذتیت (Hedonism) کا اگر اکٹھا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ حصولِ لذت اور رنج والم

میں کمی ہوتا ہے۔ دونوں میں جذبات واحساسات کی تشفی ہوتی ہے۔ ماہرینِ اخلاقیات کے مطابق جذبات واحساسات کی تشفی، اور اطمینانِ قلب اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو سہل بنانے سے حاصل ہونی چاہیے۔ اگر زندگی کا یہی مقصد بن جائے تو صالح اعمال سرزد ہوں گے۔ لیکن اگر تشفی اور اطمینان قلب نہ ہو تو غیر صالح اعمال ادا ہوتے ہیں۔

انسانی شخصیت کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ احساس یا تو خوشگوار ہوتا ہے یا ناخوشگوار۔ صالح اعمال سے خوشگواری اور غیر صالح اعمال سے ناخوشگواری کے احساسات جنم لیتے ہیں۔ لذت انگیز اعمال نیکی پیدا کرتے ہیں اور الم ورنج انگیز اعمال بدی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افادیت کتنی مقدار میں حاصل کی جائے۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

1۔ ذاتی ضرورت اور عقل کے مطابق لذت یا افادیت کا حصول

2۔ ضرورت سے زیادہ لذت یا افادیت کا حصول

3۔ زیادہ سے زیادہ لذت یا افادیت کا حصول

افادیت میں درجے اور نوعیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایک عمل کرنے سے فائدہ، لذت یا خوشی حاصل ہوتی ہے تو ہوسکتا ہے وہ کام بار بار کرنے سے اس کی اہمیت کم ہو جائے اور اس طرح فائدہ لذت یا خوشی کا درجہ اور نوعیت بھی کم ہو جائے یا ختم ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود بعض اُفعال ایسے ضرور ہیں جو اپنی اہمیت کے اعتبارے مستقل نوعیت کے ہیں۔ یعنی ایسے افعال کرنے سے کبھی لذت یا خوشی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً عبادت کرنا، آرام کرنا، طے شدہ وقت کے مطابق حقوق حاصل کرنے کی تگ ودو کرنا اور فرائض ادا کرنا، لیکن ان اعمال میں بھی کثرت اور تکرار کی زیادتی افادیت کو کم کردیتی ہے۔

افادیت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کو معیاری زندگی گزارنے کے لئے کوئی نہ کوئی نصب العین طے کرنا پڑتا ہے۔ اخلاقی معیار کا سب سے اہم نظریہ افادیت ہے جس کا براہ راست تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔ انسانی اخلاق افادی اصول حیات سے مزین ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی عمل ہو ہر ایک میں کسی نہ کسی نوعیت کا فائدہ ہی مدنظر رکھا جاتا ہے۔ علمِ معاشیات، سیاسیات، نفسیات، اخلاقیات، مذہب غرضیکہ تمام علوم مادی، تصوری، ذہنی اور احساس خوشگواری پیدا کرنے کے لئے اصول وضوابط طے کرتے ہیں۔

افادیت حاصل کرنے کے درج ذیل مختلف طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

1۔ اپنی عقل وخرد سے افادی اصول وضع کئے جائیں اور لذت حاصل کی جائے۔

2۔ آباؤاجداد کی محنت اور تجربے سے افادی اصول حاصل کئے جائیں۔

3۔ ذاتی تجربے، حالات وواقعات اور تقاضوں کے مطابق فائدہ، لذت یا تشفی پائی جائے۔

4۔ دیگر اداروں، مذہب، علوم، ثقافت، تاریخ، معاشرہ اور معیاری نصب العین کے مطابق افادی اصول بنائے جائیں۔

کانٹ، سجوک، مل، بینتھم، بریڈلے، اور دیگر ماہرینِ اخلاق کے اخلاقی نظریات الگ الگ ہیں لیکن ان سب کا کلی اور مشترک نتیجہ یہ ہے کہ انسان اعمال صالح کرے کیونکہ اس سے بھلائی پھیلتی ہے اور انسان کو اطمینانِ قلب اور تشفی حاصل ہوتی ہے۔ برے اور ناپسندیدہ اعمال سے بچا جائے کہ ان سے ناخوشگواری اور پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے۔

صرف معیاری نصب العین، معیاری اخلاق سے ممکن ہوتا ہے۔ جبکہ معیاری اخلاق کا مطمع نظر بھی رنج والم میں کمی اور خوشی میں اضافہ ہے۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف نظریہ افادیت پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

(3)۔ ارادہ طیبہ (Good Will): فلسفی کانٹ (Kant) کا نقطہ نظر ہے کہ انسان کی نیت یعنی ارادہ اس کے اعمال کی بنیاد بنتا ہے۔ بیرونی عوامل، غایات، حالات اور واقعات کا اعمال کے بہتر اور برے ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صرف اور صرف ارادہ طیبہ ہی خیر ہے اور کوئی شے یا عمل خیر اعلیٰ نہیں ہے۔ خیر اعلیٰ (Highest Good) صرف نیک ارادہ یعنی نیت طیبہ یا ارادہ طیبہ ہے۔ ارادہ طیبہ سے مراد عملی طور پر یہ ہے کہ فرض کو فرض سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ فرض کی ادائیگی اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ کوئی پوچھنے والا ہے یا فرض ادا کرنے سے خوشی، مسرت یا کمال حاصل ہوتا ہے۔ فرض کو کسی وجہ یا مقصد کے تحت ادا کرنے سے اس کی حقیقی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی مقصد یا غایت کی حیثیت سے فرض ادا کیا جائے تو اس طرح اخلاقی قانون اضافی شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے فرض اپنی صحیح حیثیت کھو جاتا ہے۔

کانٹ کے نظریہ کے مطابق قوانین کی دو اقسام ہوتی ہیں ایک مفروضی اور دوسری اطلاقی ۔ مفروضی قوانین غیر متعین اور اضافی ہوتے ہیں۔ جبکہ اطلاقی قوانین غیر مقید اور عالمگیر ہوتے ہیں۔ معاشی قوانین طے شدہ اور غیر متیقن اور اضافی ہوتے ہیں یہی مفروضی قوانین ہوتے ہیں۔ جبکہ اطلاقی قوانین غیر مشروط ہوتے ہیں جبکہ اخلاقیات کے قوانین کو فرض کی حیثیت سے ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق ارادے یا نیت سے ہے اور ایک صحیح اور حقیقی فرائض ادا کرنے والا شخص کوئی وجہ، غایت یا مقصد کو مدِ نظر نہیں رکھتا بلکہ اس کو ادا کرنا اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اور جو اطلاقی قوانین پر عمل کرتا ہے اپنے اندر ارادہ خیر یعنی ارادۂ طیبہ (Good Will) رکھتا ہے۔ کانٹ کے نزدیک فرض کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے فرض کو بغیر کسی مزید حکم یا فرمان کے ادا کرنا چاہئے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (Encyclopedia Britanica) میں ارادۂ طیبہ (Good Will) کا مفہوم معاشی اور کاروباری ساکھ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ کاروباری ساکھ کے لئے انسان ہمیشہ تگ ودو کرتا ہے تا کہ وہ معاشی ترقی حاصل کر سکے اس طرح وہ کامیاب کاروباری انسان کہلائے گا اور سودمند کاروبار کرے گا۔ لیکن اخلاقیات میں ارادۂ خیر یا ارادہ طیبہ یا نیک ارادہ سے مراد وہ نیت ہے جس کی بنا پر انسان افعال ادا کرتا ہے۔ بیرونی یا معروضی حالات و واقعات اور عوامل سے بے نیاز اندرونی نیت سے کوئی کام کیا جائے تو وہ کام خیر اعلیٰ کے زمرے میں آئے گا۔ انسان اپنی نیت کو خود ہی بہتر طور پر جانتا ہے۔ دوسرے اس کے افعال سے اس کی نیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو خیرات اس خیال سے دے کہ وہ شخص اس کے کام آئے گا تو خیرات دینے کی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ لیکن اگر خیرات فرض یا بھلائی اور خیر کے لئے دی جائے تو پھر یہ عمل نیکی اور خیر اعلیٰ کے زمرے میں آتا ہے۔

کانٹ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ توقعات اور خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر اعمال کئے جائیں تو ان کی بنیاد ارادہ طیبہ بنتی ہے۔ اس طرح کئے ہوئے اعمال نیکی کے درجے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

راشڈل (Rashdil) اور دیگر ماہرین اخلاقیات نے کانٹ کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کانٹ کا نظریہ زیادہ طاقتور اور حقیقت کے قریب ہے۔

اخلاقیات کا مقصد عوام الناس کی اصلاح اور بہبود ہے۔فلسفیانہ انداز میں اخلاقیات انسانی زندگی کے اچھے اور برے دونوں انداز کے مطالعہ کا نام ہے۔اس لئے اخلاقی اصول وضع کرنے کے لیے انسانی فکر ونظر کو اگر مذہبی بنیادوں پر استوار کیا جائے تو اسے مذہبی نظریہ اخلاق کہیں گے۔اسی طرح اگر یہ اسلامی تعلیمات پر مبنی ہو تو اس اخلاقی نظام کو اسلامی نظریہ اخلاق کہا جائے گا۔اسلامی نظریہ اخلاق میں لوگوں کی اصلاح اور بہبود اللہ کے احکام کے مطابق کی جاتی ہے۔

اسلام انسانوں کی رشد وہدایت اور بھلائی کا مذہب ہے۔قرآن مجید میں متعدد بار اخلاقی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔اخلاقیات میں لوگوں کے اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ وہ صحیح ہیں یا غلط۔صائب ہیں یا غیر صائب۔

اسلامی نظریہ اخلاق بھی یہی ہے کہ لوگوں کو صحیح راستہ اپنانے کی تلقین کی جائے اور غلط سے ممانعت کا درس دیا جائے اور برائی سے اجتناب برتنے کا کہا جائے۔

حضرت محمدﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

ترجمہ:۔"میں تو مکارم اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

حضور پاکؐ تمام عمر عملی طور پر اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کرتے رہے۔آپؐ کے قول وفعل میں ہمیشہ مطابقت رہی۔انسانیت کی بھلائی اور فلاح و بہبود کا درس دیا اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ہمیشہ لوگوں سے خوشگوار انداز میں پیش آتے رہے۔

اسلامی نظریۂ اخلاق میں فضائل کی تلقین کی گئی ہے اور رذائل کی نفی۔ اسلامی حوالے سے عفو و درگزر ایک بہت اہم فضیلت ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے کہ:

ترجمہ:۔"اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو۔"

اس آیت مبارک میں منفی ہیجانی حالت غصہ کو قابو کرنے کی تلقین کی گئی ہے جبکہ خطاؤں کو معاف کر دینے کا درس دیا گیا ہے۔

اسلامی نظریہ اخلاق کو درج ذیل احادیث مبارک کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ترجمہ:۔ "تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے۔جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"(بخاری)

ترجمہ:۔ "اللہ کے بندوں میں اللہ کو سب سے عزیز وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"(طبرانی)

ترجمہ:۔ "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔" (ترمذی،ابوداؤد)

درج بالا احادیث میں اخلاقی نظام پر زور دیا گیا ہے۔اگر کوئی شخص عبادت کرتا ہے لیکن دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا۔اخلاقی اصول نہیں اپناتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اس عبادت نے کیا سبق دیا ہے۔لوگوں سے اخلاقی طور پر اچھا برتاؤ کرنا ہی اسلامی تعلیمات کا خاصا ہے۔اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو پھر وہ شخص اسلامی اخلاقی تعلیمات سے دوری اور ان کو مسترد کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔کیونکہ اسلام میں عملی طور پر نیکی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

اسلام میں ہر لمحہ نیکوکار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔غریب، بے کس نادار اور ضرورت مند کی مدد کرنا اہم فرض بتایا گیا ہے یہی انسان کے

لئے اخلاقیات کی تعلیم ہے کہ غریب، بے کس، کمزور اور زیر دست کی ہر حالت میں مدد کی جائے۔ مہذب اور شائستہ انداز اپنایا جائے۔ امن وسلامتی اور صلح وصفائی کی بات کی جائے۔

ماں باپ، بہن بھائی، ہمسائے، مسافر، اولاد اور ملازمین غرضیکہ ہر شخص کی عزت واحترام کیا جائے۔ بچوں، بوڑھوں اور ضرورت مندوں کی مدد کی جائے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: مسلمانوں سے انکساری وسادگی سے پیش آئیں۔ بے شک سادہ زندگی گزارنا ایمان ہے (ابوداؤد)۔

خدا کی عبادت کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ نماز پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ العنکبوت میں ارشاد خداوندی ہے "بے شک" نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بری بات سے"

اسلامی نظریہ اخلاق میں رحم کرنے کی بارہا تلقین کی گئی ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ:۔

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (مسلم ترمذی)

گویا لوگوں پر رحم کرنا اسلامی نظریہ اخلاق کا اہم جزو ہے۔

اس طرح حدیث مبارک ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ:۔ "بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔"

اسلامی نظریہ اخلاق میں انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے مسلمانوں کو اخلاقی تعلیمات اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مساوات، رواداری، بھائی چارہ، عدل وانصاف، ایفائے عہد، ایمانداری، امانت داری، حقوق العباد اور دیگر فضائل کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح منفی رویوں اور عادات وخصائص اور رذائل کو رد کیا گیا ہے۔

مسلم فلسفیوں میں ابن مسکویہ نے سب سے پہلے فلسفہ اخلاق پر ایک مستقل، مفید اور کارآمد کتاب "تہذیب الاخلاق" لکھی۔ ابن مسکویہ کا کہنا ہے کہ صرف چند لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطری طور پر نیک ہوتے ہیں اور کبھی بدی کرنے کا نہیں سوچتے۔ تعلیم وتربیت سے پورے معاشرے کو اخلاقی اصول عملی طور پر سکھائے جاسکتے ہیں۔

مشہور مسلم مفکر وصوفی امام الغزالیؒ کے نزدیک بنیادی اخلاق، غضب اور شہوت میں عدل واعتدال کا نام حسن اخلاق ہے۔ ان قوتوں میں اعتدال صرف تعلیم وتربیت سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اخلاق بنیادی طور پر انسانی زندگی کے عملی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ مذہب بھی انسان کو بہتر اور صحیح زندگی گزارنے کے لیے اعمالِ صالح کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی معاشرتی ماحول کو بہتر بنانے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ ان ہدایات اور اصول وضوابط پر عمل کر کے انسان اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کو بہتر کرسکتا ہے۔ اسلام میں حیات بعد از موت کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسی لیے اخلاقی اعمال پر عمل کرنے سے منزلِ مقصود یعنی حیات بعد از موت کا سامان پیدا کرنا ہے۔ اسلامی نظریہ اخلاق میں کامیاب زندگی گزارنے کے سنہری اصول پنہاں ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر یقیناً آسانیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ تعلیم کا اہم مقصد مثالی معاشرہ قائم کرنا ہوتا ہے۔ اسلامی نظریہ اخلاق

بھی مثالی معاشرہ قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اسلامی نظریۂ اخلاق کا اہم پہلو یہ ہے کہ مقاصد نیک ہونے کے ساتھ ساتھ نیک مقاصد حاصل کرنے کے ذرائع بھی صالح ہونے چاہئیں کیونکہ اگر ابتدا اور بنیاد صحیح اور مثبت ہوگی تو حاصل کردہ نتائج بھی یقیناً صحیح اور مثبت ہی ہوں گے۔

اسلام اخلاقِ عامہ کا پرچار کرتا ہے۔ کسی خاص فرد، گروہ یا قوم کے لیے اخلاقی اصول لاگو کرنے کی بجائے سب کو اخلاقی عادات اور اخلاقی قوانین پر عمل کرنے کی ہدایات دیتا ہے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

1:۔ اخلاقیات کی تعریف بیان کریں؟

2:۔ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے اخلاقیات کی اہمیت بیان کریں

3:۔ اخلاقی نظریات کیونکر ضروری ہیں؟ سنہری وسط کے حوالے سے وضاحت کریں۔

4:۔ صحیح عمل کرنے سے افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ وضاحت کریں؟

5:۔ ارادۂ طیبہ ہی اعلیٰ ترین خیر ہے۔ وضاحت کریں۔

6:۔ اسلامی نظریہ اخلاق کیا ہے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 1:۔ درج ذیل فقرات میں مناسب اور ضروری اصطلاحات یا الفاظ سے خالی جگہ پر کیجئے۔

1:۔ جبلتوں کو کنٹرول کرنے کے لیے.......... سے مدد لی جاتی ہے۔

2:۔ اخلاقی مثبت اقدار وہ بنیادی حقائق ہیں جن کی بنیاد پر.......... معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

3:۔ انگریزی زبان کا لفظ Ethics.......... زبان کا لفظ Ethos سے مشتق ہے۔

4:۔ کس شخص کے اچھے اور بُرے اعمال وافعال کا مطالعہ.......... میں کیا جاتا ہے۔

5:۔ علم الاخلاق کے مطابق انسانی کردار کا اندرونی پہلو.......... پر منحصر ہوتا ہے۔

6:- یونانی فلسفی ارسطو درمیانی راستہ کا قائل ہے جسے.......... وسط بھی کہا جاتا ہے۔

7:- کانٹ کے نظریے کے مطابق قوانین کی.......... اقسام ہوتی ہے۔

8:- مسلم فلسفی ابن مسکویہ نے سب سے پہلے فلسفہ اخلاق پر ایک کارآمد کتاب.......... لکھی۔

9:- چند اخلاقی نظریات میں سے تین سنہری، افادیت اور.......... ہیں۔

10:- انسانی زندگی کا سب سے اہم مقصد خوشی لذت اور اطمینان حاصل کرنا ہے۔ یہ نظریہ.......... کا نقطہ نظر ہے۔

سوال2: کالم "الف" اور کالم "ب" میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم "ج" میں درج کریں۔

کالم "الف"	کالم "ب"	کالم "ج"
☆ معیارِ عمل کا مطالعہ	تاریخ اخلاقیات ہے۔	
☆ انگریزی کا لفظ Ethics	فضائل بیان کئے ہیں۔	
☆ راجرس کی کتاب کا نام	اخلاقی فرض خود لاگو کیا جاتا ہے۔	
☆ اخلاقیات انسانی کردار کی	اخلاقیات کرتی ہے۔	
☆ افلاطون کے چار	یونانی لفظ Etho سے نکلا ہے۔	
☆ گرین کے خیال میں	معیاری سائنس ہے۔	
☆ اخلاقیات میں انسانی	میانہ روی کا راستہ ہے۔	
☆ سنہری وسط	زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے لذت ہے۔	
☆ افادیت میں	نیک ارادے کی وجہ سے ہے۔	
☆ اعلیٰ ترین خیر صرف	زندگی کا ثقافتی پہلو بھی جانچا جاتا ہے۔	